قرآن مجید میں تکرارِ واقعات کی حکمت وافادیت

میر محمد حسین - ایم اے - فاضل دیوبند

ولقد صرفنا فی ھٰذا القرآن للناس من کل مثل وکان الانسان اکثر شیٔ جدلاً - $\frac{18}{54}$

"ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر طرح کی مثال طرح طرح سے بیان کی ہے، اور انسان سب سے زیادہ جھگڑالو واقع ہوا ہے۔"

قرآن مجید میں بعض قصص و واقعات کا ذکر ایک سے زیادہ بار آیا ہے۔ عام مفسرین نے اس تکرار کی غرض محض تذکیر و یاددہانی بتائی ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "بے شک قرآن مجید ایک دعوت اور عملی تحریک ہے جس کا فطری اقتضا ہے کہ وہ جس وقت جس مرحلے میں ہو، اس میں وہی باتیں کہی جائیں جو اس مرحلے سے مناسبت رکھتی ہوں اور جب تک دعوت ایک مرحلے میں رہے بعد کے مراحل کی بات نہ چھیڑی جائے، بلکہ اسی مرحلے کی باتوں کا اعادہ کیا جاتا رہے خواہ اس میں چند مہینے لگیں یا کئی سال صرف ہو جائیں؛ اور پھر یہ اعادہ ایک ہی ڈھنگ اور ایک ہی عبارت میں نہ ہو کہ طبائع انہیں سن سن کر اکتا جائیں بلکہ ہر بار نئے الفاظ، نئے اسلوب اور نئی آن بان سے کہی جائیں۔"

تاہم جن حضرات نے قرآن مجید کے ان مقامات کا بغور مطالعہ کیا ہے انہوں نے محسوس کیا ہوگا کہ اگر کسی مقام پر اس واقعہ کے ایک پہلو کو نمایاں کر کے بیان کیا گیا ہے تو دوسرے

مقام پر اس کے کسی دوسرے پہلو کو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس اعادہ کا مقصد محض عمومی قسم کی تذکیر و موعظت ہی نہیں، بلکہ سابقہ آیات کے سیاق و سباق میں واقعہ کے کسی خاص پہلو پر زور دینا مقصود ہے۔ جو اپنے ماسبق سے مربوط و وابستہ ہے۔

بار بار دہرائے جانے والے یہ واقعات و اشخاص مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ قصۂ ابلیس و آدم

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش اور ان کے خوارقِ عادات

۴۔ حضرت موسیٰ، بنی اسرائیل اور فرعون کے واقعات

۵۔ حضرات نوح، ہود، ابراہیم، لوط اور شعیب علیہم السلام اور ان کی اقوام کے واقعات۔

ان تمام مکرّر واقعات کا بالتفصیل جائزہ لینا اس مختصر صحبت میں مشکل ہے، البتہ ان میں قصۂ ابلیس و آدم کا مطالعہ کرتے ہیں تاکہ یہ واضح ہوسکے کہ ہر مقام پر ان کا ذکر کس پس منظر میں آیا ہے اور اس واقعہ کے کس پہلو پر وہاں زور دینا مقصود ہے۔

قصۂ آدم و ابلیس

۱۔ یہ واقعہ سورۂ بقرہ کے شروع ہی ——— رکوع ۴، ۵ ——— میں مذکور ہوا ہے اور تقریباً دس آیات پر مشتمل ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ آغازِ سورہ میں قرآن مجید کے متعلق تین طرح کے لوگوں کے رویوں کا ذکر کیا گیا۔ اوّلاً اُن لوگوں کا جو اس کتاب لاریب پر ایمان لائے اور اس کی تعلیمات کو ذہناً و عملاً اپنایا۔ ثانیاً اُن لوگوں کا جنہوں نے انکار و ہٹ دھرمی کی راہ اختیار کی۔ تاہم ان کا انکار کھلا، واشگاف اور واضح تھا۔ ثالثاً ان لوگوں کا جنہوں نے منافقت کی راہ اختیار کی۔ وہ اپنے آپ کو ظاہر تو اہلِ ایمان کرتے تھے مگر بباطن وہ کافر تھے اور کافروں کے ساتھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی صداقت اس کے اعجاز کے حوالے سے بصورت تحدی بیان کرتے ہوئے پوری نوع انسانی

سے مطالبہ کیا کہ وہ انکار و نفاق کی اس روش کو ترک کر کے اپنے خالق کی بندگی و اطاعت کی راہ اختیار کریں تاکہ وہ اس نیابت و خلافتِ الٰہیہ کا حق ادا کر سکیں جو ان کے جدِ امجد آدم کے حوالے سے ان کے سپرد کی گئی تھی، اور اس فضیلت و برتری کا شکر ادا کر سکیں جو ملائکہ جیسی مقرب و نوری مخلوق کے مقابلہ میں ان کو دی گئی۔ اور اُس شیطان کی طرح بغاوت و سرکشی کی راہ پر نہ چلیں جس نے آدم کو بہکا کر خدا کی نافرمانی پر اکسایا اور جنت سے نکلوایا اور اگر اب تک انھوں نے یہی راہ اختیار کر رکھی ہے تو اپنے باپ (آدم) کی طرح اپنی غلطی کا احساس کریں اور اپنی اصلاح کر کے انھی کی طرح خدا کے مقبول و محبوب ٹھہریں، نہ کہ شیطان کی طرح بغاوت و نافرمانی پر اصرار کر کے راندۂ بارگاہ قرار پائیں۔

اس واقعہ کے آخر میں ضمناً یہ بات بھی بتا دی گئی کہ آدم کی اِس غلطی اور شیطان کے اِس بہکاوے سے انسان کی راہنمائی اور انتباہ کے لیے وحی کی ضرورت واضح ہو جاتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کا آغاز کرنے والا ہے۔

اس کے معاً بعد بنی اسرائیل کے کردارِ بد کا ذکر شروع ہو جاتا ہے جس سے انھیں یہ بتانا مقصود ہے کہ تمھارا یہ طرزِ عمل اس منصبِ خلافت و امامت کے منافی، اپنے باپ کی راہ سے ہٹا ہوا اور شیطان کا سا ہے۔

۲ ـــ سورۂ اعراف کے رکوع اوّل میں یہ واقعہ مزید تفصیل کے ساتھ آیت نمبر ۸ تا آیت نمبر ۲۵ میں مذکور ہے۔ اس سے قبل کی آیات میں انسانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے جیسی مخلوق کی بجائے وحی الٰہی کا اتباع اختیار کریں ورنہ غلط نتائج اور خدا کی گرفت کے لیے تیار رہیں۔ اب قصہ آدم و ابلیس سُنا کر انھیں یاد دلایا کہ شیطان انسانوں کو بدراہ کرنے کے لیے ہر طرح کے حیلے اور وساوس اختیار کرتا ہے اور اگر انسان وحی آسمانی کو چھوڑ کر اس کے اغوا میں آجائے تو انسانی زندگی کے شرمناک پہلو اور عیوب منظرِ عام پر آجاتے ہیں ـــ شیطان کی پھیلائی ہوئی انھی گمراہیوں میں سے ایک لباس میں عریانی ہے اور اسی مناسبت سے اس واقعہ کے بعد متقیانہ لباس ـــ جس میں زینت تو ہو مگر عریانی نہ ہو ـــ کی تاکید کی اور پھر یہی با زینت لباس نماز کے لیے پہننے کو کہا۔

۳ ۔ سورۂ حجر کا آغاز کفار کی اس آرزو سے ہو رہا ہے کہ کاش انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہوتا ۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی صداقت ان کے دلوں میں اتر چکی تھی مگر دنیوی لذائذ کی کشش یا اسلامی زندگی کے نظم سے گریز یا خود داعی کی ذات کا استخفاف ان کے آڑے آیا اور ایک دفعہ جب انکار کر چکے تو اب اسے نبھانے کے لیے کئی ایک الجھاوے پیدا کرتے چلے گئے ۔ اسی تسلسل میں آدم و ابلیس کا قصہ سورہ کے دوسرے سے تیسرے رکوع تک مذکور ہوا جس میں ابلیس کی ایسی ہی ہٹ دھرمی کی مثال پیش کرنا مقصود معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور حکم کے باوجود ایک بار جب اس نے اسے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو پھر کرتا ہی چلا گیا اور اس کے لیے عذر تراشتا رہا تا آنکہ اسی ضد میں اپنی عاقبت تباہ کر لی ۔

چونکہ سیاق و سباق سورہ میں اس حقیقت کا اظہار مقصود تھا کہ ضد میں آ کر ایک دفعہ انکار اور پھر اس سے رجوع کی بجائے اسی پر اصرار ایک ابلیسانہ کردار ہے ، اسی لیے اس سورہ میں آدم کے کردار کے بجائے ابلیس کے کردار کو زیادہ نمایاں کر کے بیان کیا گیا ہے ۔ اس قصہ کے بعد ان اقوام کا مذکور رہے جنہوں نے ضد میں آ کر انکار کیا اور اس پر ایسی جمیں کہ پھر تباہ ہو کر رہ گئیں ۔

۴ ۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۶۱ سے ۶۵ تک میں شرک کی تردید و تغلیط کے بعد یہ واقعہ ذکر کر کے بتایا کہ اولاد و اموال میں کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا بھی شیطان کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی ہے ، اور ساتھ ہی اس حقارت کا بھی ذکر کیا جو شیطان کو انسان سے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی بہت سی مخلوق میں سے افضل و برتر بنایا ہے ۔ اب یہ انسان کا اپنا قصور ہے کہ وہ اپنے محسن رب کی اطاعت و فرمانبرداری کی بجائے شیطان کا کہنا مان کر شرک کرتا ہے اور اپنے آپ کو اسی طرح خدا کے ہاں مغضوب معتوب بنا لیتا ہے ۔

۵ ۔ پھر اسی سورت کی آیت ۵۰ میں اس واقعہ کو دہرانے سے پہلے بتایا کہ دنیوی زندگی اس فصل کی سی ہے جو چند روز لہلہا کر بھوسہ بن جاتی ہے لہٰذا مال و اولاد کی ظاہری زینت

پہ یہ کہ اس فانی زندگی (عارضی مہلتِ حیات) کو خدا کی نافرمانی و حکم عدولی بیں صرف نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ابن آدم کا شیوہ نہیں، یہ تو شیطان کا وطیرہ ہے جس نے تمہارے باپ —آدم— کو ایسی ہی زندگی کا جھانسہ دے کر خدا کی حکم عدولی پر اُکسایا تھا۔

۶— سورہ طٰہٰ میں فرعون کی مجرمانہ روش اور پھر بنی اسرائیل کی احسان فراموشانہ و مشرکانہ سرگرمیوں کا حال بیان کرنے کے بعد آیات ۱۱۵ تا ۱۲۹ میں اس واقعہ کو ذکر کرکے بتایا کہ جس طرح آدم خدا کے حکم اور اس کے انتباہ کو بھول گیا اور اس کی ہدایت پر ثابت قدم نہ رہ سکا، اسی طرح اس کی اولاد بھی (یہاں بالخصوص بنی اسرائیل مراد ہیں) اس کی ہدایت کو بھول گئی، اپنے عہد پر قائم نہ رہی اور اس کی یاد سے غافل ہو کر دنیوی و اُخروی ناکامیوں سے دوچار ہوئی۔

۷— سورۂ صٓ کے آغاز میں بتایا تھا کہ قرآن تو ایک نصیحت اور یاد دہانی کرانے والی کتاب ہے، لیکن کفار غرور میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ان کے تکبر، نبی علیہ السلام پر ان کے اعتراضات کا ذکر ہے جن کی بنیاد ہی جذبۂ استحقار و استکبار پر ہے۔ اس پر پہلی اقوام کی ایسی ہی روش پر خدا کی گرفت کے حوالے سے تنبیہ کی گئی اور ساتھ ہی حضرات داود و سلیمان کا حال بتایا گیا کہ وہ کس طرح صاحب جبروت حکمران ہونے کے باوجود خدا سے انابت و استغفار کرتے رہتے تھے۔ اسی سلسلے میں حضرات ایوب، ابراہیم، اسحاق، یعقوب، اسماعیل، الیسع اور ذو الکفل کا ذکر —— اپنے بہترین بندوں نہ کہ متکبرین کی حیثیت سے —— کیا۔ اور آخر میں بتایا کہ اسی تکبر و سرکشی نے ابلیس کو نافرمان اور انجام کار مردود اور جنت سے محروم بنایا۔

اس طرح آپ نے دیکھا کہ آدم و ابلیس کے قصے میں کہیں تو آدم کی خلافت اور اس کے تقاضوں کے پہلو پر زور دیا گیا ہے، اور کہیں معصیت کے بعد اظہارِ معذرت و استغفار کے پہلو پر۔ کسی جگہ اتباعِ وحی کی بجائے اتباعِ مخلوق کے نتائج پر متنبہ کیا گیا ہے تو کسی جگہ دل میں اعترافِ حق کے باوجود مادی اغراض و لذائذ کے لیے اس سے انکار و جحود پر۔ کہیں

(باقی بر صفحہ ۵۰)